حرفِ سخن
HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

سردار محمد چودھری کی غیر افسانوی نثر کا تنقیدی جائزہ

*ڈاکٹر ماجد علی
**محمد عثمان حفیظ
***شازیہ نذیر
****عتیقہ اسلم

ABSTRACT
Sardar Muhammad Chaudhary is counted among those few people who kept his relationship with literature along with police work. Rather, he spared no effort in the service of Urdu literature. He wrote in excellent English language and wrote equally well in Urdu language. He tried to discuss all the topics of life in his writings. He witnessed the partition of India, migration and persecution of Sikhs in his childhood. I saw the oppression of the country of Pakistan during the police service. In this article, Sardar Muhammad's non-fiction prose has been critically evaluated
***Key Words**: Critical content, India, Writer, Rizia Bibi, Sikhs*

سردار محمد چودھری بمطابق ڈسٹرکٹ بورڈہائی سکول ٹوبہ ٹیک سنگھ 11 مارچ 1937ء کو ضلع ہوشیار پور کی تحصیل اونہ (موجودہ صوبہ ہماچل پردیش بھارت) کوہ شوالک کے دامن میں واقع گاوں کوٹھیڑہ جسوالاں میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباواجداد بلخ بُخارا سے ہجرت کر ہندوستان آئے تھے۔ اُن کے والد کا نام دل محمد تھا جبکہ والدہ کا نام رضیہ بی بی تھا۔ چودھردی صاحب کا تعلق گجر فیملی سے تھا۔ اُن کے گاوں کے لوگ جن میں ہندو، سکھ، عیسائی اور مسلمان تمام آپسی محبّت اور بھائی چارے سے رہتے تھے۔ جوگیندر سنگھ اُن کے بچپن کا جگری دوست اور ہم جماعت تھا۔ اُن کا گاوں نہایت خُوبصورت اور پہاڑوں میں گرا ہوا تھا۔ اِرد گرد گھنا جنگل تھا۔ اُن کے گاوں سے ہمالہ کا سلسلہ کانگڑہ ہل کی سفید برف پوش چوٹیوں کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ گاوں میں واحد پانی کا کنواں ایک ہندو نے تعمیر کروایا تھا۔ اُن کے گاوں کے پاس ایک سواں ندی بہتی تھی جہاں چودھری صاحب نہایا کرتے تھے۔ چودھری صاحب نے اپنے بچپن میں گاوں کا تمام کلچر میلے ٹھیلے، لوک گیت، ڈھول کی تھاپ پر رقص، بھنگڑہ، جسمانی کھیلیں خاص کر کبڈی وغیرہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چودھری صاحب سکول میں بڑے ذہین تھے اِسی وجہ سے ہندو لڑکے آپ سے حسد کرتے تھے۔ لیکن ہندو اُستاد چودھری صاحب کی ذہانت کی وجہ سے بے حد شفقت اور محبّت کرتے تھے۔ جب آپ اپنی تحصیل میں پرائمری کے امتحان میں اوّل آئے تو انسپکٹر آف سکول آپ کے گھر خود چل کر مبارک باد دینے آئے تھے۔ اُن کی دادی اُن سے بے حد پیار کرتی تھی۔ وہ اپنے پوتے کے لیے پھل اور کھانا لے کر سکول کے دروازے پر بیٹھ کر اُس کا انتظار کرتی تھی اور سکول سے گھر واپسی پر چودھری صاحب کو جِنوں اور پریوں کی کہانیاں سُنایا کرتی تھی۔ بچپن میں وہ برف کے گولے اور مٹھائی بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ چھوٹی عمر میں بہت زیادہ شرارتی تو نہیں تھے لیکن ایک بار اپنے کزن سے مل کر پتھروں سے سڑک بند کرنے کی وجہ سے اپنے گھر والوں سے خُوب مار کھائی تھی۔ تقسیمِ ہندوستان کے وقت حالات اِس قدر خراب ہوئے کہ اُن کے گاوں پر سکھوں نے حملہ کر دیا۔ اُن کے گھر والوں نے بڑی مشکل سے ہوشیار پور کیمپ میں پناہ لی۔ جہاں بہت بُرا حال تھا۔ کیمپ بیماریوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اِرد گرد لاوارث لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ 1947ء میں پاکستان ہجرت کرتے ہوئے اُنہوں نے مختلف ریلوے اسٹیشنوں پر جگہ جگہ مسلمانوں کی بکھری پڑی لاشیں دیکھیں۔ سکھوں کا رعب اور دبدبہ اِس قدر زیادہ تھا کہ ٹرین ڈرائیور اُن کے ڈر سے امرتسر میں ٹرین چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ مصیبتوں اور دُکھوں کا پہاڑ عبور کر کے چودھری صاحب اپنے گھر والوں کے ساتھ آخر کار لاہور پہنچ ہی گئے۔ جہاں آپ کی فیملی کو والٹن مہاجر کیمپ میں ٹھہرا دیا گیا۔ ایک سال سے زائد عرصہ تک وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ اِسی مہاجر کیمپ میں رہے۔ بے تحاشا کیمپ کی مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد وہ ملتان روڈ پر موجود "مراکہ" گاوں میں رہائش پذیر ہو گئے اور ملتان روڈ پر اپنے باپ کے ساتھ مزدوری کرتے رہے۔ تھوڑے عرصے بعد ٹوبہ ٹیک سنگھ ہجرت کر گئے۔ چودھری صاحب کے والد کو ٹوبے میں چپڑاسی کی نوکری مل گئی۔ یہاں چودھری صاحب ریلوے اسٹیشن پر مسافروں کو گجرے بیچنے کے ساتھ ساتھ بطور قُلی کام کرتے رہے اور ساتھ ہی ایک چائے کے ڈھابے پر پارٹ ٹائم مزدوری بھی کرتے رہے۔ اِسی حوالے سے وہ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

"میری بہن موتیے کے پھول چُن کر ہار بنا دیتی اور میں بھاگ کر ریلوے اسٹیشن پر گزرتے ہوئے مسافروں کے پاس جا کر بیچ لیتا اور اگر کوئی مسافر سامان اُٹھوا لیتا تو قُلی کا کام بھی کر لیتا اور آنہ دو آنے مزید مل جاتے"1

جب وہ ایک چائے کے ڈھابے پر کام کرتے تھے تو ایک دن ایک سکول ٹیچر چائے پینے آیا تو اُس نے چودھری صاحب کو اپنے سکول میں داخلے کی دعوت دی اور ڈھابے کا مالک بڑا رحم دل انسان تھا اُس نے ماسٹر جی سے کہا کہ ضرور داخل کروائیں۔ اِس کا خرچہ بھی میں دوں گا۔ کیونکہ بچہ بڑے بختوں والا ہے جب سے میرے پاس کام کر رہا ہے میرا کام دوگنا ہو گیا ہے۔ چودھری صاحب شیخ سردار محمد کی محبّت، شفقت اور رحم دلی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"بیٹا تم صبح صبح دونوں انگیٹھیاں بھجا جایا کرو اور سکول چلے جایا کرو۔ چھٹی ہونے پر پھر دوکان پر آجایا کرو۔ پنکھا ہی جھلنا ہوتا ہے۔ جھلتے رہا کرو اور ساتھ کتاب بڑھتے رہا کرو۔ تمہیں پوری تنخواہ بھی مِلا کرے گی اور سکول کا خرچہ بھی"2

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

چودھری صاحب نے ایک بار پھر تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول میں داخلہ لے لیا۔ یہ فیلڈ مارشل ایوب خاں کا دور تھا۔ سکول میں اُنہوں نے ایوب کے مارشل لا کے خلاف تقریر کی۔ 1953ء میں چودھری صاحب نے مڈل کا امتحان اوّل پوزیشن میں پاس کر لیا۔ وہ لارنس کالج گھوڑا گلی کے لیے ٹیلنٹ اسکالر شپ کی پیش کش سے فائدہ اُٹھانے میں ناکام رہے۔ 1955ء میں اُنہوں نے میٹرک کا امتحان بھی امتیازی نمبروں سے پاس کر لیا۔ 1955ء میں ہی وہ اسکالر شپ پر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لینے میں کامیاب ہو گئے۔ 1959ء میں اُنہوں نے لاہور کالج سے انگریزی زبان میں بی اے آنرز کا امتحان پاس کیا۔ 1961ء میں اُنہوں نے لاء کالج پنجاب یونیورسٹی سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کر لیا۔ چودھری صاحب دوبار سی ایس ایس کے امتحان میں ناکام رہے۔ 1962ء میں تیسری کوشش میں عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کامیاب ٹھہرے اور پولیس فورس میں شامل ہو گئے۔ اُنہوں نے بطور اے ایس پی مشرقی پاکستان موجودہ بنگلہ دیش "سارده پولیس اکیڈمی" سے تربیت مکمل کی اور پاکستان کے تمام صوبہ جات میں اپنے فرائضِ منصبی سر انجام دیتے رہے۔ وہ مشکل ترین حالات میں ایس ایس پی راولپنڈی اور لاہور میں تعینات رہے۔ چودھری صاحب نے ایف آئی اے، انٹیلی جنس بیورو اور اسپیشل برانچ پنجاب میں بھی اپنی خدمات سر انجام دیں۔ وہ 1991ء سے 1993ء تک تقریباً تین سال آئی جی پنجاب بھی رہے۔ 1997ء میں اُن کو اُن کے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔ اپنی نوکری سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ اپنے بھرپور تجربے اور عملی زندگی کی روشنی میں تمام معروف اخبارات میں مضامین اور کالم لکھتے رہے۔ اُن کی اہم تصانیف میں "دی الٹیمیٹ کرائم، پنجاب پولیس سچ کیا ہے، قائدِ اعظم بیسویں صدی کا سب سے بڑا انسان، نواز شریف ٹیڑھی راہوں کا سیدھا مسافر، روش روش روشنی، پولیس کرائم اینڈ پولیٹکس، کشتِ ویراں اور متاعِ فقیر بہت زیادہ فروخت ہوئیں اور مقبولیت کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ اُن کی کالم نگاری دو والیم کی شکل میں "خیال دید خیال" کے عُنوان سے مرتب کیے جا چکے ہیں۔ جن میں علمی موتیوں کے خزانے چھپے ہوئے ہیں۔ چودھری صاحب علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کے فلسفے اور خیالات کے بہت بڑے حامی تھے۔ وہ جمہوری عمل میں جوش و خروش سے سنجیدہ تھے۔ چودھری صاحب 13 نومبر 2004ء کو لاہور میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

نثر کا تنقیدی جائزہ:

جہانِ حیرت:

سردار محمد چودھری کا شُمار اُن گنے چنے لوگوں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے پولیس کی نوکری کے ساتھ ساتھ ادب کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑے رکھا۔ بلکہ اُردو ادب کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وہ انگریزی زبان کے ماہر تھے۔ اُنہوں نے جتنا عمدہ انگریزی زبان میں لکھا اُتنا ہی اچھا اُردو زبان میں بھی تحریر کیا۔ اُنہوں نے اپنی تحریروں میں زندگی کے تمام موضوعات کو زیرِ بحث لانے کی کوشش کی۔ اُنہوں نے بچپن میں تقسیمِ ہندوستان، ہجرت اور سکھوں کے ظلم و ستم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ پولیس سروس کے دوران ملکِ پاکستان کے ساتھ ہونے والے ظلم و ستم کو بھی قریب سے دیکھا۔ اُنہوں نے اپنی تحریروں اور ذاتی زندگی میں غلطی کرنے والے جرنیلوں کی بد اعمالیوں کا ذِکر بڑے درد اور کرب کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اُن کی تحریروں کے مرکزی خیالات مارشل لاز کے بڑے نقصانات کے گرد گھومتے ہیں۔ اُن کے نزدیک فوجی مداخلت پاکستان کے سیاسی، سماجی، معاشی اور اخلاقی برائیوں کی بُنیادی وجہ ہے۔ اُن کی سب سے اہم تحریر اُن کی آپ بیتی ہے۔ جو اُردو کی آپ بیتیوں میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ اُنہوں نے اپنی آپ بیتی لکھنے کا فیصلہ 1998ء میں کیا۔ جب اُنکی عمر باسٹھ سال تھی اور وہ دل کے عارضے میں مبتلا تھے۔ امریکہ میں جب اُنہوں نے علاج معالجے کے لیے اپنے ٹیسٹ کروائے تو دل کے عارضے کے ساتھ ساتھ وہ شوگر اور گردوں کی بیماری میں بھی مبتلا پائے گئے۔ تو چودھری صاحب کو جیسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ تو اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ انہیں اپنی زندگی کے بارے لکھنا چاہیے۔ لہٰذا اُنہوں نے اپنی زندگی کی کہانی اِنتہائی قلیل وقت، صرف پندرہ دن کے اندر اندر لکھ ڈالی۔ اور اِس کا اِنتساب اپنی بیوی بلقیس بیگم کے نام کیا۔ چودھری صاحب نے اِس آپ بیتی میں اپنا بچپن، اپنے گاوں کی خُوبصورتی، کلچر، تقسیمِ ہندوستان، ہجرت، فسادات، سکھوں کا ظلم و ستم، مسلمانوں کا قتلِ عام، اپنی تعلیم، نوکری، سیاسی اور فوجی اِنتشار، فوجی جرنیلوں اور سیاستدانوں کی عیاشیوں، اقلیم اختر عرف جنرل رانی، لیلیٰ مظفر، مسز کے۔ این۔ حسین المعروف بلیک بیوٹی جیسی طوائفوں کا سیاست میں عمل دخل، جنرل یحیٰی خان کی جھوٹی انا اور ضد، بھٹو کی اقتدار کی ہوس، مجیب الرحمٰن کی ہٹ دھرمی، سقوطِ ڈھاکہ، انڈیا کی مشرقی پاکستان میں مداخلت اور خانہ جنگی جیسے واقعات کا تفصیل سے ذِکر کیا ہے۔ چودھری صاحب کی آپ بیتی تقسیمِ ہند سے لے کی اُن کی وفات تک ایک قسم کی تلخ تاریخ ہے۔ اب ہم اُنکی آپ بیتی کے چند اہم واقعات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کہاں تک حقیقت پر مبنی ہیں۔ پولیس سروس کے شروع میں چودھری صاحب بار بار تبادلوں کی وجہ سے پریشان رہے۔ وہ اپنی بیوی سے بے حد محبّت کرتے تھے اکثر اپنے سرکاری اور غیر سرکاری دوروں پر اپنی بیوی کو ساتھ لے کر جاتے تھے۔ ایک بار تو وہ ایک دورے پر اپنی بیوی کے ہمراہ ڈاکوؤں کے نرغے میں پھنس گئے تھے۔ بطور پولیس آفیسر وہ اپنے ماتحتان کے ساتھ بڑے شفیق اور مہربان تھے۔ وہ ایک رحم دل اِنسان تھے۔ ایک بار اُنہوں نے مشہورِ زمانہ ڈاکو ایوب کھوڑو کو گرفتار کر لیا جب وہ گاوں اپنی بہن کی شادی میں جا رہا تھا۔ اُس نے چودھری صاحب کا منت ترلہ کیا کہ اگر اُس کے گھر گرفتاری کا پتہ چل گیا تو اُس کی بہن کی شادی رُک جائے گی۔ چودھری صاحب نے رحم دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن پر ترس کھا کر بغیر پولیس حراست اُس کو شادی میں شرکت کی اجازت دے دی۔ ڈاکو ایوب نے تین دن بعد گرفتاری دینے کا وعدہ کیا اور اپنے وعدے کے مطابق گرفتاری دے دی۔ بعد میں اُس کی نشاندہی پر پولیس کو کافی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ اُنہوں نے اپنی آپ بیتی میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں خراب حالات اور خون خرابے کا ذِکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ چودھری صاحب کو جنرل ٹکا خان کے ساتھ بھی کام کرنے کا موقع ملا۔ چودھری صاحب نے اپنی آپ بیتی میں انڈین گنگا طیارے کی ہائی جیکنگ بارے بھی تحریر کیا ہے۔ جس کو دو کشمیری نوجوان اشرف اور ہاشم ہائی جیک کر کے پاکستان لے آئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو کشمیری مجاہد بتاتے تھے اور بدلے میں کشمیر کی آزادی چاہتے تھے۔ اُن کی اِس کاوش پر پاکستان کے مسلمانوں میں ایک جوش و خروش تھا۔ بعد میں اِس ہائی جیکنگ پر پاکستان میں باقاعدہ طور پر فلم بھی بنائی گئی۔ لیکن چودھری صاحب نے اپنی آپ

بیتی میں ان دو کشمیری مجاہدین کو انڈین ایجنٹ قرار دینے کی کوشش کی ہے جو سراسر غلط ہے۔ یہاں مجھے چودھری صاحب سے اختلاف ہے۔ کیونکہ اِن دو کشمیری مجاہدین میں سے ڈاکٹر اشرف صاحب پنجاب یونیورسٹی میں صدر شعبہ کشمیریات اور میرے اُستاد رہے ہیں۔ 2009ء میں میں پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں ایم اے کشمیریات کا باقاعدہ طور پر طالب علم تھا۔ جب مجھے اِس چیز کا علم ہوا کہ اِنڈین گنگا طیارہ ہائی جیکنگ میں سر اشرف بھی ملوث تھے۔ اشرف صاحب کے علم میں یہ بات تھی کہ میں پولیس میں سب انسپکٹر ہوں۔ وہ میری بہت عزت کرتے تھے اور مجھے اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے۔ ایک دن سر کے دفتر میں بیٹھے موقعہ غنیمت جان کر میں نے سر کے ساتھ ہائی جیکنگ والا قصّہ چھیڑ ہی ڈالا۔ پہلے پہل تو اُنہوں نے اِس موضوع پر بات کرنے سے گریز کیا لیکن میرے بار بار اصرار پر اُنہوں نے دل دہلا دینے والے حقائق بیان کیے۔

> "میں اور ہاشم ہم دونوں دوست بھی تھے اور رشتے دار بھی۔ انڈین فوج آئے روز ہم پر ظلم و ستم کرتی رہتی تھی۔ روز روز کے ظلم سے تنگ آکر ایک دن ہم دونوں نے ارادہ کیا کہ کیوں نہ انڈین طیارہ ہائی جیک کر لیا جائے اور ڈیمانڈ میں کہا جائے کہ ہمارے کشمیر کو حالی کر دیا جائے۔ اُنہوں نے کہا ہم نے ایک عدد چھری اور ایک عدد پلاسٹک کا پستول لیا اور جہاز میں سوار ہو گئے۔ ہم نے جعلی پستول سے پائلٹ کو ڈرا دھمکا کر طیارے کو پاکستان لے آئے۔ جہاں ہم نے ہندوستان سے آزادی کی ڈیمانڈ کی لیکن بھٹو صاحب کی مداخلت نے ہمارا سارا کام خراب کر دیا۔ وہ ہمیں طیارے میں ملنے آئے اور ہم سے گزارش کی کہ مسافروں کو کھانا کھلانے کی اجازت دے دی جائے۔ کھانے کے بہانے مسافروں کو اُتار کر ہمیں دھوکے سے گرفتار کر لیا گیا۔ اُنہوں نے مجھے مزید بتایا کہ پاکستانی اداروں نے ہمارے اُوپر شدید دباو ڈالا کہ آپ اقرار کریں کہ آپ کشمیری مجاہد نہیں بلکہ انڈین ایجنٹ ہیں۔ لیکن بقول اشرف صاحب ہم نے ایسا کرنے سے صاف اِنکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پولیس اور فوج نے شاہی قلعہ لاہور میں ہمارے اوپر ظلم و ستم اور تشدد کے پہاڑ گرا دیے۔ اُنہوں نے مزید بتایا کہ ہمیں اُلٹا لٹا کر ہمارے اُوپر ایک بانس رکھ دیا جاتا اور دو آدمی بانس پر کھڑے ہو جاتے تھے اور بانس کو آگے پیچھے رول کیا جاتا تھا۔ اشرف صاحب نے کہا ہم ثابت قدم رہے ہم نے جھوٹ بولنے سے اِنکار کر دیا"3

یہ سب کچھ بتاتے ہوئے اُن کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ میں نے اشرف صاحب کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مزید سوالات کرنے سے گریز کیا۔ اداروں کے تشدد کی وجہ سے وہ اِس قدر جسمانی طور پر کمزور تھے۔ کہ کُرسی پر بیٹھے ہوئے بھی کپکپاتے رہتے تھے۔ کبھی کبھار تو بہمانہ تشدد کے اثرات اور کمزوری کی وجہ سے اُن کے منہ سے رالیں ٹپکنے لگتی تھیں۔ جن کو صاف کرنے کے لیے ہر وقت اُن کے ہاتھ میں ایک رومال رہتا تھا۔

چودھری صاحب نے اپنی آپ بیتی میں سیاست دانوں اور فوجی افسروں کی عیاشیوں کا بھی پردہ چاک کیا ہے۔ اُنہوں نے سیاست دانوں اور فوجی جرنیلوں کو بہت نزدیک سے دیکھا۔ جنرل یحیٰی کی عیاشیوں کا ذِکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایوانِ صدر ایک کوٹھے کا نظارہ پیش کرتا تھا جہاں ملک و قوم کے فیصلے ہونے ہوتے تھے وہاں ہر وقت رقص و سرود کی محفلیں جاری رہتی تھیں۔ چودھری صاحب لکھتے ہیں۔

> "اِس کے علاوہ وہاں دلال اور طوائفیں تھیں اور بعض کو اِنتہائی اہم مرتبہ حاصل تھا۔ اِن میں قلیم اختر رانی، مسز کے۔ این حُسین اور لیلیٰ مظفر سرِفہرست تھیں۔ علاوہ ازیں بہت سی بدنام لیکن حسین و پُرکشش عورتوں کا ہجوم تھا۔ جو سارا دن تمبا کو نوشی اور ناچنے کُودنے میں مصروف رہتی تھیں۔ پولیس کے سپاہی ایوانِ صدر کو کنجر خانہ، جی ایچ کیو کو ڈنگر خانہ اور اپنی پولیس لائنوں کو لنگر خانہ کہتے تھے"4

اُنہوں نے اپنی آپ بیتی میں کلیم اختر عرف عام میں جنرل رانی کے فوج کے جرنیلوں اور سیاستدانوں کے ساتھ عیاشیوں کے کئی قصّے تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ جنرل یحیٰی خان کی رکھیل ہونے کی وجہ سے کلیم اختر کا سرکاری معلاملات میں بڑا عمل دخل رہا۔ ملک پاکستان کے بڑے بڑے شُرفاء اپنے کام کروانے کے لیے ایک طوائف کو بے بہارِ شوت دیتے اور اُس کے منت ترلے کرتے تھے۔ اقلیم اختر ایک پولیس انسپکٹر رضا کی بیوی تھی اور ضلع گجرات کی رہنے والی تھی۔ یحیٰی خان کے دورِ اقتدار کے اختتام پر وہ تقریباً 23 دن تک چودھری صاحب کی زیرِ حراست اور زیر تفتیش رہی۔ جنرل یحیٰی نے جب سیالکوٹ میں بطور جنرل آفیسر کمانڈنگ جی ایچ کیو کا دورہ کیا تو جنرل رانی وہاں زیرِ علاج تھی۔ جنرل یحیٰی اقلیم اختر کے حُسن سے بے حد متاثر ہوئے اور جلد ہی اُن کی آپس میں دوستی ہو گئی اور پھر دوستی بے تکلفی اور اعتماد میں تبدیل ہو گئی۔ چودھری صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ستمبر 1965ء کی جنگ میں جب ملک ایک بہت بڑی مصیبت سے جھوجھ رہا تھا تب بھی جنرل یحیٰی خان میدانِ جنگ چھوڑ کر آرمی ہیلی کاپٹر لے کر جنرل رانی سے اُن کے گھر ملنے جایا کرتے تھے۔ ایک دن جنرل یحیٰی اچانک عیش و عشرت کی غرض سے جنرل رانی کے پاس تشریف لے آئے اور آگے جنرل رانی ڈی ایس پی پولیس مخدوم جو شراب کے نشے میں دُھت تھے کے ساتھ رنگ رلیوں میں مصروفِ عمل تھی۔ ڈی ایس پی مخدوم جنرل یحیٰی کو اچانک وہاں دیکھ کر اِس قدر غصے میں آئے کہ اُنہوں نے اپنے پستول سے جنرل رانی کے خُفیہ اعضاء پر گولیاں برسا دیں۔ جنرل یحیٰی خان نے اپنی جان بچانے میں ہی عافیت سمجھی اور واپس ہیلی کاپٹر کی طرف دوڑ لگا دی اور وہاں سے فرار ہو گیا۔ جنرل رانی نے ڈی ایس پی مخدوم کے غیض و غضب سے بچنے کے لیے اپنی نوخیز بیٹی اُس کے عقد میں دے دی تھی۔ نشے اور شراب کا عادی ڈی ایس پی مخدوم بڑی عبرت ناک موت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

مرا۔ جنرل رانی سمجھتی تھی کہ مرد کی سب سے بڑی کمزوری عورت ہے اُس نے اِس چیز کا بھرپور فائدہ اُٹھایا اور بہت ساری دولت اکٹھی کی۔ جنرل رانی کے پاس بہت سے فوجی افسروں اور جرنیلوں کے بارے میں راز تھے اِسی حوالے سے سردار محمد چودھری لکھتے ہیں۔

"جنرل رانی کے پاس یحیٰی خان اور اُس کے ساتھیوں کے بارے میں معلومات کا طومار تھا۔ اُس کے بقول یحیٰی خان نے نومبر 1968ء میں اُس وقت سے اقتدار پر قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔ جب ایوب خاں کے خلاف تحریک میں شدت پیدا ہوئی وہ فوج کے تقریباً ہر آدمی کو جانتی تھی اور جرنیلوں کی رنگ رلیوں، سمگلنگ، زراندوزی اور دیگر کرتوتوں پر مبنی بہت سی کہانیوں سے واقف تھی"5

جنرل رانی کی بھٹو سے ملاقات 1960ء میں راولپنڈی کے ایک کلب میں ہوئی۔ جہاں بھٹو اپنے کزن تجمل حسین کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ جنرل رانی نے چودھری صاحب کو بتایا کہ اُس نے تو بھٹو کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا لیکن سارا کھیل تجمل حسین نے خراب کر دیا تھا۔ اُس نے مزید بتایا کہ بعد میں بھٹو اُس کی بھابھی کو ترجیح دینے لگے تھے۔ اقلیم اختر کی بابت جب حمود الرحمنٰ کمیشن میں جنرل یحیٰی سے اِس کے بارے میں سوال پوچھا گیا تو جنرل صاحب نے جواب میں بڑی ڈھٹائی سے کہا وہ تو میری بہن ہے۔ چودھری صاحب لکھتے ہیں کہ یحیٰی خاں میں بہت زیادہ اکڑ اور غرور تھا۔ وہ مجیب الرحمان کو جنگلی سور اور بھٹو کو انتہائی کمینہ اور ذلیل اِنسان سمجھتے تھے۔ کیونکہ الیکشن میں اِن دونوں نے اکثریت حاصل کر لی تھی۔ حالانکہ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ تمام کریکٹر انتہائی غلیظ اور گندے تھے جن کی وجہ سے نہ صرف ملکِ پاکستان جو لاکھوں قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا تھا اِس کی سلامتی اور امن تباہ ہوا بلکہ پوری دُنیا میں جگ ہنسائی ہوئی اور سب سے بڑا نقصان پاکستان کی تقسیم اور بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کی صورت میں سامنے آیا۔

چودھری صاحب نے اپنی آپ بیتی میں سانحہ بنگلہ دیش کا بھی تفصیلاً ذِکر کیا ہے۔ اُن کے نزدیک یحیٰی خان مجیب الرحمنٰ اور بھٹو کے ساتھ ڈبل گیم کھیل رہے تھے۔ پہلے اُنہوں نے جان بوجھ کا اسمبلی کا اجلاس بلایا اور پھر اجلاس شروع ہونے سے محض تین دن پہلے اُس کو ملتوی کر دیا۔ یحیٰی خان کو شک تھا کہ مجیب اور بھٹو کے درمیان کوئی مفاہمت چل رہی ہے۔ جبکہ بریگیڈیئر صدیق سالک نے اپنی کتاب "میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا" میں لکھا ہے کہ یحیٰی نے اجلاس بھٹو کے پریشر میں آ کر ملتوی کیا تھا۔ دوسرا اگر دونوں لیڈروں میں مفاہمت چل رہی تھی تو بھٹو نے مینار پاکستان لاہور میں جلسہ عام کر کے کیوں اپنے ایم این ایز کو کہا کہ تم میں سے جو بھی ڈھاکہ اجلاس میں شرکت کرنے جائے گا اُس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ خیر یحیٰی خان مجیب الرحمنٰ سے مذاکرات کے لیے خود ڈھاکہ گئے لیکن مذاکرات ناکام ہو گئے۔ مجیب الرحمنٰ اسمبلی اجلاس کے سوا کسی بات پر اتفاق کرنے کو تیار نہیں تھے۔ لہٰذا جنرل یحیٰی خان نے مشرقی پاکستان چھوڑتے ہوئے جنرل ٹِکا خان کو فوجی کاروائی کا حکم دے دیا۔ جس سے ملک میں اِنتشار اور خانہ جنگی والی صورت حال پیدا ہو گئی۔ بنگالی فوجیوں اور پولیس نے بغاوت کر دی اور وہ مکتی باہنی تحریک میں شامل ہو گئے۔ مغربی پاکستان کے فوجیوں نے بنگالی عورتوں کے ساتھ دست اندازی شروع کر دی اور اُن کے ریپ کرنے شروع کر دیے جس سے بنگالی اور زیادہ بھڑک گئے۔ بریگیڈیئر صدیق سالک جو اُس وقت بنگلہ دیش میں ملٹری کمانڈ کے سٹاف آفیسر تھے اُنہوں نے اپنی کتاب میں تسلیم کیا کہ زنا بالجبر کے چودہ کیس وار روم میں رپورٹ ہوئے تھے۔ جِس کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ بنگالیوں کو جہاں جہاں پنجابی ملے اُنہوں نے اُن کا قتل عام شروع کر دیا۔ دوسری طرف یحیٰی خان اپنی رنگین دُنیا میں جنرل رانی، لیلیٰ مظفر اور مسز کے این حسین المعروف "بلیک بیوٹی" کے نرم و نازک ہونٹوں کے لمس اور ناگن جیسی گھنیری زُلفوں کے سائے میں پڑے خوابِ غفلت کے مزے لوٹ رہے تھے۔ ملک ہاتھ سے نکلتا گیا۔ اِنڈین فوج کی مداخلت سے بنگالیوں کو حوصلہ ملا۔ آخر کار 16 دسمبر 1971ء کو بنگلہ دیش مغربی پاکستان سے الگ ہو گیا۔ پاکستانی فوج کی پوری کی پوری پلٹونوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ بنگالی اِس قدر پاکستانی فوج سے ناراض تھے اُنہوں نے نہ صرف پاکستانی فوج کی لاشوں کی بے حُرمتی کی بلکہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُوپر پیشاب تک کرتے رہے اور گرفتار کیے جانے والے مغربی پاکستان کے فوجیوں کو ننگا کر کے سڑکوں پر پریڈ کرواتے رہے۔ تقریباً 93000 ہزار پاکستانی رضاکار اور فوجیوں کو بنگلہ دیش کے پلٹن گراونڈ میں اِنڈین جنرل اروڑھا سنگھ کے سامنے جنرل نیازی کی سربراہی میں ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اِس طرح تمام پاکستانی فوجیوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ جتنی ذِلت اور ہزیمت اُس وقت پاکستانی فوج کو اُٹھانی پڑی شاید ہی دُنیا کی کسی فوج کو اِتنی ذِلت اُٹھانی پڑی ہو۔ اُدھر مغربی پاکستان میں فوج کے خلاف عوام میں شدید غم و غصہ تھا۔ لوگوں نے بڑے بڑے جلوس اور ریلیاں نکالی اور شراب کی دوکانوں کو آگ لگا دی۔ حتیٰ کہ فوج کے اندر بھی بغاوت شروع ہو گئی۔ آخر کار یحیٰی خاں کو اقتدار چھوڑنا پڑا اور اقتدار بھٹو کے پاس چلا گیا۔ اِس طرح بھٹو کی اقتدار پر قبضے کی خواہش پایہ تکمیل کو پہنچی۔ بھٹو نے سانحہ بنگلہ دیش پر سپریم کورٹ کے جج پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن "حمود الرحمنٰ کمیشن" تشکیل دے دیا۔ اِس کمیشن کے ذِمہ سقوطِ ڈھاکہ کے اصل حقائق سامنے لانا تھا۔ کمیشن نے اِس کیس کی سماعت پولیس کالج سہالہ میں کی۔ جنرل یحیٰی خان کو کھاریاں سے سہالہ پولیس کالج بائے ہیلی کاپٹر لانے کی ذِمہ داری چودھری صاحب کی تھی۔ ایک دن پیشی کے بعد جنرل یحیٰی خان نے ہیلی کاپٹر پر جانے کی بجائے براستہ روڈ راولپنڈی جانے کی ضد پکڑ لی۔ چودھری صاحب نے حقائق یحیٰی خان کے سامنے رکھے کہ عوام میں آپ کے خلاف شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے۔ لہٰذا براستہ سڑک جانا درست نہیں۔ لیکن یحیٰی خان کے اندر اُس وقت بھی صدر پاکستان اور ایک آرمی جنرل والی اکڑ تھی۔ کہنے لگے عوام مجھ سے ناراض ہے میں نے کونسا اُن کی گدھی (کھوتی) کو ہاتھ لگا لیا ہے۔ خیر اُن کی ضد کو پورا کرتے ہوئے کمیشن کے سربراہ حمود الرحمنٰ نے چودھری صاحب کو براستہ سڑک لے جانے کی اجازت دے دی۔ براستہ روڈ سفر شروع ہوتے ہی سہالہ ریلوے پھاٹک بند ہونے پر لوگوں نے جنرل یحیٰی خان کو پہچان لیا اور اُس کی گاڑی پر پتھر برسانے شروع کر دیے۔ قسمت اچھی تھی کہ پھاٹک جلدی کھل گیا۔ جنرل صاحب کا رنگ فق ہو گیا اور اُس نے چودھری صاحب سے گزارش کی کہ بس مجھے جلدی کھاریاں میرے بنی بنگلہ ہی لے چلو۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

چودھری صاحب نے اپنی آپ بیتی میں بھٹو کے خود ساختہ پولیس ونگ "ایف ایس ایف" کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جو فوج کے متوازی ادارہ تھا۔ اِس کی چھاپہ مار کاروائیوں کی وجہ سے اسکو "پالتوں غنڈوں کا گینگ" بھی کہا جاتا تھا۔ اِسی گینگ نے احمد رضا قصوری کے والد نواب احمد خان قصوری کو صرف اِس وجہ سے قتل کر دیا کہ اُس نے بھٹو کے خلاف ڈھاکہ جانے کی جسارت کی تھی۔ ارشد نامی ایک اے ایس آئی بھٹو کے خلاف سرکاری وعدہ معاف گواہ بن گیا۔ جو نواب احمد کے قتل گینگ میں شامل تھا۔ بھٹو کے خلاف ہائی کورٹ کے پانچ رُکنی بینچ نے کیس سُنا۔ بھٹو کے خاص افسران نے بھی عدالت میں بھٹو کے خلاف گواہی دی۔ دفعہ 109 پاکستان پینل کوڈ کے تحت جُرم کی اعانت میں بھٹو کو سزائے موت سُنادی گئی۔ سپریم کورٹ نے بھی ہائی کورٹ کے فیصلے کی توثیق کر دی۔ احمد رضا قصوری کے قتل بارے چودھری صاحب لکھتے ہیں۔

> "اِس کے بعد اُس نے بم کا ایک گولا پھینک کر زوردار دھماکہ کیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ "ایف ایس ایف" کے اُن افراد میں شامل تھا۔ جنہوں نے اُس کار پر فائرنگ کی تھی جس میں احمد رضا قصوری ایم این اے اُن کے والد نواب محمد خان اور خاندان کے افراد سوار تھے۔ فائرنگ کے نتیجے میں نواب احمد خان مارا گیا۔ بلکہ دوسرے افراد زخمی ہوئے۔ ارشد نے اِس بھیانک مشن، منصوبہ اور اِس پر عمل درآمد کی تفصیلات بھی بیان کیں "6

بھٹو کو پھانسی کے پھندے سے بچانے کے لیے بہت سے برادر اِسلامی ممالک کے سربراہاں نے جنرل ضیاالحق کو ٹیلی فون کیے اور خطوط لکھے۔ کئی ممالک کے سفیروں نے بھٹو کی رہائی کے لیے جنرل ضیا سے ملاقاتیں بھی کیں۔ لیکن جنرل ضیاالحق ایک اِنتہائی ذہین و فطین اور شاطر انسان تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر بھٹو زِندہ بچ گیا تو اُسے کبھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ضیاالحق کے علم میں تھا کہ رسہ ایک ہے اور گردنیں دو، قبر ایک ہے اور لاشیں دو۔ اِسی حوالے سے چودھری صاحب اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

> "ضیا بھٹو سے بہت زیادہ خوفزدہ تھے۔ اُنہیں پختہ یقین تھا کہ اگر بھٹو پھانسی کے پھندے سے بچ گئے تو اُنہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ کیونکہ اُنہیں ہمیشہ کے لیے جیل میں رکھنا یا جلاوطن کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ بات اُنہوں نے اِس طرح کی "رسہ ایک ہے اور گردنیں دو یا تو اُن کی گردن رسے سے لٹکے گی یا میری" ایک بار یوں بھی کہا" قبر ایک ہے اور مردے دو، یا بھٹو کو قبر میں جانا ہو گا یا مجھے "بھٹو نے اپنے مخالفین کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اُس کے پیشِ نظر ضیا کی بات قابل فہم تھی۔ تاریخ کا گہرا شعور رکھنے کے باوجود معتوب وزیر اعظم نے اِس سے کوئی سبق نہیں سیکھا تھا "7

چودھری صاحب مارشل لا کے خلاف تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ بھٹو کی پھانسی کے بعد حالات خراب ہو جائیں گے اور ہمارا ملک ایسے حالات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ وہ مختلف سیاسی اور مذہبی رہنماوں سے بھٹو کی پھانسی رکوانے کی غرض سے ملتے رہے۔ وہ نوابزادہ نصراللہ خاں سے ملے لیکن وہ بھی جنرل ضیا کے ساتھ بات کرنا تو دور کی بات بھٹو کے حوالے سے بیان دینے سے بھی گریزاں تھے۔ چودھری صاحب مولانا مودودی کے پاس گئے لیکن اُن کو وہاں سے بھی مایوس لوٹنا پڑا۔ اپنی آپ بیتی میں بھٹو کے حوالے سے مولانا مودودی کے خیالات بارے لکھتے ہیں۔

> "26 مارچ کو میں مولانا مودودی سے مِلا اور بھٹو کو پھانسی کے نتائج پر بحث کی۔ اُن کی ٹھوس رائے یہ تھی کہ بھٹو ایک بدمعاش آدمی ہے۔ اُسے اُس کے گناہوں کی سزا لازماً ملنی چاہیے "8

4 اپریل 1979ء کو بھٹو کو صبح سویرے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ بھٹو نے پھانسی سے پہلے آخری خواہش کے طور پر کافی طلب کی اور اپنی شیو بنوائی۔ بھٹو کی پھانسی کے خلاف تھوڑا بہت احتجاج ضرور ہوا لیکن فوج نے اِس احتجاجی بغاوت کو کچل کر رکھ دیا۔ بھٹو کی تدفین میں نصرت بھٹو اور بینظیر کو بھی شامل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ چند دن بعد اُن کو بھٹو کی قبر پر لیجایا گیا۔ بھٹو کے بیٹوں مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو جو اُس وقت لندن میں تھے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے پیپلز لبریشن آرمی تشکیل دی۔ بعد میں اُن کے بیس کیمپ کابل افغانستان میں منتقل ہونے کے بعد اُس کا نام "الذوالفقار" رکھ دیا گیا۔ اِس تنظیم نے 1980ء کی دہائی کے شروع میں اپنی دہشت گرد کاروائیوں میں تیزی شروع کر دی۔ راولپنڈی میں جنرل ضیاالحق کے طیارے کو میزائل مارنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ بعض فوجی تنصیبات کو بم دھماکوں یا برائے راست گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اِسی تنظیم نے بھٹو مخالف دو اہم سیاستدانوں چودھری ظہور الٰہی اور محسن بھوپالی کو قتل کر دیا۔ الذوالفقار تنظیم کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹا گیا۔ ایسے تمام لوگوں کو قانون کی گرفت میں لایا گیا جو اِس تنظیم کے ساتھ جُڑے ہوئے تھے۔ یا پھر مدد فراہم کر رہے تھے۔ اِس تنظیم کو مختلف ممالک سے امداد فراہم کی جا رہی تھی۔ تاکہ ملک کے حالات خراب کیے جائیں۔ چودھری صاحب اِس حوالے سے لکھتے ہیں۔

> "الذوالفقار کو افغانستان، روس اور انڈیا کے علاوہ لیبیا، شام، پیپالو اور بعض دوسرے روس نواز ممالک سے مالی امداد مل رہی تھی۔ نوجوانوں میں بھٹو کے بہت سے شیدائی الذوالفقار میں بھرتی ہونے کے لیے دستیاب تھے۔ بہت سے بدمعاش جو قبائلی علاقہ میں روپوش تھے۔ شُہرت پانے اور مالی امداد نیز اسلحہ حاصل کرنے کی غرض سے تنظیم میں شامل ہو گئے تھے۔ بہت سے سرگرم رُکن گرفتار کر لئے گئے۔ جو لوگ الذوالفقار کے عناصر سے دور کا تعلق رکھتے تھے۔ یا ان کے رشتہ دار تھے۔ سپیشل برانچ کے تفتیشی سیل شاہی قلعہ لاہور میں پوچھ گچھ کی گئی "9

1983ء کے آخر تک الذوالفقار تنظیم کی سرگرمیوں کی میں کمی کی بجائے مزید تیزی آگئی تھی۔ افغانستان میں جاری جنگ کے اثرات، پاکستان میں آرہے تھے۔ لوٹ مار قتل وغارت عام ہو گئی تھی۔ سرِ عام بنکوں اور شاہروں پر ڈاکے ڈالے جارہے تھے۔ کاروں میں بم پھٹ رہے تھے۔ نسلی فسادات عروج پر پہنچ چکے تھے۔ بڑے بڑے سیاستدانوں کو نظر بند کیا جانے لگا۔ نصرت بھٹو اور بینظیر بذاتِ خود اس تنظیم کی مدد کر رہی تھیں۔ اِس حوالے سے چودھری صاحب لکھتے ہیں۔

"ان میں سے بدترین خطرہ دہشت گردی تھی، جسے بھارت اور روس مل کر پروان چڑھا رہے تھے۔ منشیات اور ہتھیاروں کی فراہمی نیز سمگلنگ بااثر مافیا کے کنٹرول میں تھی۔ دہشت گرد بم دھماکے کر رہے تھے۔ بینکوں میں ڈاکے ڈال رہے تھے۔ اور کاروں میں بم پھٹ رہے تھے۔ قتل کی وارداتیں عام ہو رہی تھیں۔ فوجی اور دیگر اہم تنصیبات پر حملے ہو رہے تھے۔ چھوٹے بڑے تمام قابل ذِکر سیاستدانوں کو اُن کے اپنے صوبوں میں اپنے گھروں میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔۔۔۔۔ دوسرے صوبوں میں موجود پنجابیوں پر حملے ہو رہے تھے۔ اور وہ جان کے خوف سے اپنا سب کچھ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ یہاں تک کہ فوج اور پولیس کے افسروں کو بھی معاف نہیں کیا جارہا تھا۔ بعض دوسرے مقامات پر شیعہ سُنی دونوں کو روس کی طرف سے ہتھیار اور سرمایہ فراہم کیا جارہا تھا"10

17 اگست 1988ء میں جنرل ضیاالحق کے طیارے کو حادثہ پیش آیا۔ جس میں جنرل ضیاالحق اپنے قریبی ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔ چودھری صاحب نے اپنی آپ بیتی میں طیارے کو حادثے کی بڑی وجہ فنی خرابی یا کھڑکی کا شیشہ ٹوٹنا بتایا ہے۔ اُن کے نزدیک ضیاالحق کے خلاف کوئی سازش نہیں ہوئی تھی۔ لیکن چودھری صاحب نہ تو اِس طیارہ حادثہ کی تحقیقی ٹیم میں شامل تھے نہ ہی اُنہوں نے اِس کیس کے متعلق کوئی تفتیش کی تھی۔ میرا خیال ہے اُنہوں نے محض اندازے سے یہ بات لکھ دی ہے۔ جنرل ضیاالحق کی شہادت کے بعد بینظیر اور نواز شریف کھل کر ایک دوسرے کے سامنے آگئے۔ سارک سربراہی کانفرنس میں بینظیر نے راجیو گاندھی کی خُوب آو بھگت کی اور انڈیا کو خوش کرنے کے لیے اسلام آباد کی سڑکوں سے کشمیر کے حوالے سے لگے تمام بینرز اور پوسٹر ہٹوانے کے ساتھ ساتھ کشمیر ہاوس کے سامنے سے کشمیر ہاوس کا بورڈ تک بھی ہٹوا دیا۔ اِس حوالے سے چودھری صاحب لکھتے ہیں۔

"راجیو گاندھی سارک سربراہی کانفرنس میں شرکت کے لیے اسلام آباد پہنچے تو بینظیر نے اُن کی حد سے زیادہ نازبرداری کی۔ یہاں تک کہ کشمیر ہاوس کے بورڈ بھی سڑک سے ہٹوا دیے۔ مبادا کہ راجیو گاندھی کو ناگوار گزرے"11

چودھری صاحب نے اپنی آپ بیتی میں میاں محمد نواز شریف کے سیاسی کیریئر بارے کھل کر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اُن کے نزدیک نواز شریف کو سیاست میں لانچ کرنے والے جنرل ضیا الحق اور جنرل جیلانی تھے۔ 1986ء میں میاں نواز شریف کے خلاف تحریک عدم اعتماد کو ناکام بنانے میں ملٹری اسٹیبلشمنٹ کا بڑا ہاتھ تھا۔ چودھری صاحب پہلی بار ایک ٹرانسفر کے سلسلے میں نواز شریف سے ملے تھے۔ نواز شریف نے فوراً اُن کا کام کر دیا۔ بلکہ یوں محسوس کروایا کہ جیسے چودھری صاحب نے اُن کو کام کہہ کر اُن پر کوئی اِحسان کیا ہے۔ بس اُس دن کے بعد چودھری صاحب میاں صاحب کے گرویدہ ہو گئے اور سمجھ گئے کہ میاں صاحب بڑے کام کے آدمی ہیں۔ وہ الیکشن سے پہلے نواز شریف سے ملنے اُن کے گھر صرف اِس غرض سے گئے کہ وہ الیکشن میں اُنکی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ جس سے نواز شریف بڑے خوش ہوئے۔ الیکشن جیتنے کے بعد نواز شریف نے اُنہیں ڈی آئی جی سرگودھا تعینات کر دیا اور جب نواز شریف کی حکومت گرانے کی سازش کی جارہی تھی تو میاں صاحب نے چودھری صاحب کو ڈی آئی جی سپیشل برانچ تعینات کر دیا۔ تاکہ اُن کے خلاف ہونے والی سازشوں کا پتا لگایا جاسکے۔ اِس آپ بیتی میں میاں نواز شریف بارے چودھری صاحب کے نرم گوشے کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ وہ بیجا نواز شریف کی طرفداری کرتے نظر آتے ہیں۔ شاید اِس کی بڑی وجہ یہ ہو گی کہ نواز شریف نے نہ صرف اُن کو پولیس کے اعلیٰ عہدوں پر تعینات کیا بلکہ جونیئر رینک سے اُٹھا کر آئی جی پنجاب تعینات کر دیا تھا۔

چودھری صاحب نے اپنی آپ بیتی میں سیاسی اور سماجی اِنتشار کے حوالے سے کھل کر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اُنہوں نے محرم میں ہونے والے شیعہ سُنی فسادات، ہتھوڑا گروپ کی بے رحمانہ کاروائیاں، دہشت گردی، اوجڑی کیمپ دھماکہ جس میں 100 سے زائد افراد لُقمہ اجل بن گئے تھے۔ سیاسی پارٹیوں کی آپس کی لڑائیاں، بدمعاشوں کا صفایا جیسے واقعات بارے اظہارِ خیال کیا ہے۔ بطور آئی جی اُنہوں نے پولیس کی ویلفیئر کے لیے بہت کام کیا۔ پولیس میں تقریری مقابلے کروائے۔ پولیس شُہداء کی یادگاریں تعمیر کروائی۔ ڈسٹرکٹ شہید فنڈ قائم کیا۔ دورانِ ڈیوٹی شہید ہونے والے اہلکاروں کے لیے ریٹائرمنٹ تک تنخواہ جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ شُہداء کے بچوں کو پولیس میں نوکریاں دیں۔ چودھری صاحب نے اپنی آپ بیتی کے آخر میں مشکل الفاظ کی لغت بھی لکھ دی ہے تاکہ قارئین کو پڑھتے ہوئے کوئی دقت پیش نہ آئے۔ چودھردی صاحب کی آپ بیتی "جہانِ حیرت" تقریباً پچاس سالہ تاریخ کا بہترین نمونہ اور آئینہ ہے۔

متاعِ فقیر:

چودھری صاحب کی دوسری اہم آپ بیتی "متاعِ فقیر" ہے۔ اِس کتاب میں اپنے حالاتِ زندگی کو مختلف مضامین کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُنہوں نے تقسیم کے بعد ہندووں اور سکھوں کی لوٹ مار کو "کھلا ڈاکہ" کے عُنوان سے تحریر کیا ہے۔ اُنہوں نے اپنی ماں کے ساتھ ماموں کے گھر سکھوں کی لوٹ مار کے ڈر سے بھاگ دوڑ کا ذِکر کیا ہے۔ اسلامیہ کالج ہوشیار پور مسلم مہاجر کیمپ کے مسائل کا ذِکر کیا ہے۔ جہاں سے اُنہوں نے پاکستان کو ہجرت کرنی تھی۔ ہوشیار پور کالج مہاجرین کے کیمپ کے اِرد گرد لاوارث لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ہر طرف بھوک ناچ رہی تھی۔ بچے بھوک سے بلک رہے تھے۔ ہر طرف قیامت صغریٰ کا منظر تھا۔ وہاں سے ٹرین کے ذریعے پاکستان کی طرف ہجرت شروع کی تو ٹرین لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ جن لوگوں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

کوٹرین کے اندر جگہ نہ ملی وہ ٹرین کی چھت پر سوار ہو گئے۔ ٹرین جس اسٹیشن پر رُکتی وہاں لوگوں کا ہجوم ہوتا ریل کی پٹریوں پر برہنہ لاشیں ہر طرف بکھری پڑی تھیں۔ ایسے ہی مناظر کے حوالے سے چودھری صاحب لکھتے ہیں۔

"مختلف ریلوے اسٹیشنوں سے گزرتی ہوئی ٹرین جب امرتسر کے پاس دریائے بیاس سے گزر رہی تھی۔ تو سب لوگ دیکھ کر دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ میرے دادا بے قابو ہوتے جا رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے۔ کہ وہ دیکھو لاشیں ہی لاشیں۔ وہ فلاں کی لاش ہے اور ضد کی چھوڑ دو مجھے۔ میں اپنے عزیزوں کے ساتھ مرنا چاہتا ہوں۔ میں نے سوچا شاید وہ پاگل ہو گئے ہیں"12

سکھوں کا خوف ہر طرف پھیلا ہوا تھا یہاں تک کہ امرتسر میں تو ٹرین ڈرائیور ڈر کے مارے ٹرین چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ آخر کار وہ دُکھوں اور مصیبتوں کے پہاڑ کاٹتے ہوئے لاہور والٹن کیمپ پہنچ گئے۔ یہاں بھی افلاس اور غُربت نے قدم جمائے ہوئے تھے۔ دو وقت کی روٹی ملنا مشکل ہو گئی تھی۔ لاہور کیمپ سے پہلے ملتان روڈ گاؤں مراکہ اور پھر ٹوبہ ٹیک سنگھ جا بسے۔ یہاں سے چودھری صاحب نے دوبارہ تعلیم کی طرف توجہ دی۔ اور اعلیٰ تعلیم کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور کا رُخ کیا اور یہاں سے بی اے کا امتحان پاس کیا اور ایل ایل بی کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کرنے کے بعد مقابلے کا امتحان پاس کر کے محکمہ پولیس میں بطور اے ایس پی بھرتی ہو گئے۔ اُنہوں نے "متاعِ فقیر" میں اپنی شادی اور ازدواجی زندگی بارے تفصیل سے لکھا ہے۔

کشتِ ویراں:

چودھری صاحب کی اِس کتاب کو اگر تاریخِ آزادی کے تناظر میں تخلیقی ادب کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ چودھری صاحب نے یہ کارنامہ اِتنی خوش اُسلوبی سے انجام دیا کہ اِس سے پہلے شاید ہی کسی نے ایسا کارنامہ سر انجام دیا ہو۔ اِس کتاب میں تاریخی واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر رنگ و نسل کے لوگوں کو اُن کی حیثیت کے مطابق مقام دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کے مصنف سردار محمد چودھری نے غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اچھے کو اچھا اور بُرے کو بُرا کہا۔ اُنہوں نے ذات پات اور اُونچ نیچ کا بالکل خیال نہیں رکھا۔ چودھری صاحب نے اِس کتاب میں تاریخی واقعات کو ایک خاص تسلسل سے پیش کیا ہے۔ چودھری صاحب نے تاریخی واقعات کے ساتھ اِسلامی جذبات کی بھرپور طریقے سے ترجمانی کی ہے۔ ڈاکٹر ایس۔ ایم شفیق چودھری صاحب کی اسلامی اور تاریخی نثر کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"مجھے یہ کہنے میں مسرت ہو رہی ہے کہ مصنف نے تحریکِ پاکستان اور اسلام کے پیغام کے جذبات میں ڈوب کر اور اس کی مکمل چاہت کا احاطہ کر کے یہ کتاب ضبطِ تحریر میں لائی ہے۔ جس میں عقل کے ساتھ ساتھ جذب و مستی کی کیفیت جو ایک مومن کی صحیح علامت ہے۔۔۔۔۔۔ دینِ اسلام کے بارے میں چودھری صاحب کا علم عام افسران سے بہت اُونچا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کے رسول اور اولیائے کرام سے اُن کی محبت مثالی ہے"13

چودھری صاحب نے اِس کتاب میں انتہائی خُوبصورتی سے برصغیر کی تقریباً بارہ سو سال کی تاریخ نہایت اختصار کے ساتھ بیان کی ہے۔ اُنہوں نے محمد بن قاسم سے شروع کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب برصغیر میں کسی عرب لیڈر نے پہلا حملہ کیا اور ہندو راجہ دہر کو شکستِ فاش کیا۔ چودھری صاحب نے اِنتہائی چابکدستی سے الپتگین، سبکت گین، محمود غزنوی، معزالدین المعروف شہاب الدین غوری، قطب الدین ایبک، تین سو سالہ دلی سلطنت جس میں غلام اقتدار، خلجی، تغلق، سید اور لودھی اقتدار، مغلیہ عہد، ظہیر الدین بابر، شیر شاہ سوری، دوبارہ مغلیہ عہد جن میں ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اورنگزیب عالمگیر، بہادر شاہ فرسٹ، جہاندار شاہ، محمد شاہ رنگیلا، نادر شاہ درانی، احمد شاہ ابدالی، بہادر شاہ ظفر، سراج الدولہ، حیدر سلطان، ٹیپو سلطان، میر صادق اور میر جعفر کی غداری، برصغیر کے لوگوں پر انگریز تسلط اور ظلم و ستم، دو قومی نظریہ کے رہنما سر سید، علامہ اقبال، قائد اعظم اور ہندوؤں کے لیڈر موہن چند کرم داس گاندھی کے علاوہ دیگر مسلمان سیاسی رہنماؤں کی حکمرانی اور اِسلام کے لیے خدمات کو بڑے عمدہ اور موثر طریقے سے بیان کیا ہے۔

یہ اتنی عمدہ کتاب ہے، جس میں ایک طرف تو برزگانِ دین کی خدمات اور بھائی چارے کا درس اور آپس میں پیار محبّت کی داستانیں ملتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف ہندوؤں اور سکھوں کی لوٹ مار، قتل و غارت اور خون ریزیوں کی لمبی داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ راجہ رنجیت سنگھ نے جب پنجاب میں اپنی حکومت قائم کی تو خون کی ندیاں بہا دیں خاص کر کشمیر کے مسلمانوں کو مولی گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ سکھوں کے ایسے ہی ظلم و ستم بارے چودھری صاحب لکھتے ہیں۔

"اُس وقت کے حالات کے مطابق سکھوں سے انگریز واقعی ہی بہتر تھے کہ کم از کم دینی رسومات کی تو آزادی تھی۔ سکھ تو اِس کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ آپ اذان نہیں دے سکتے۔ باجماعت نماز ادا کرنا خطرے کو دعوت دینا تھا۔ مساجد تباہ کر دی تھیں۔ مسلمان اپنی جائیداد سے ہاتھ دُھو رہے تھے۔ اور سکھ زبردستی اُن کی جائیدادوں پر قبضہ جما رہے تھے۔ عزت محفوظ نہ تھی عورتوں کو اُٹھا کر لے جاتے تھے۔ کشمیری مسلمانوں کو تو تھوک کے حساب سے تہ تیغ کیا جاتا تھا"14

پنجاب پولیس سچ کیا ہے؟:

پنجاب پولیس سچ کیا ہے؟ یہ سولہ ابواب پر مشتمل کتاب ہے۔اِس کتاب کے تمام کردار محب وطن ہر پاکستانی کے ضمیر کو جھنجوڑنے کے ساتھ ساتھ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ہمارے ملک کے سیاستدان اِس کتاب کے مطالعہ سے پولیس کے نظام کو بہتر طریقے سے ترتیب دے سکتے ہیں۔یہ کتاب پولیس ملازمین اور افسران کے لیے بھی ضروری ہے۔وہ اِس کتاب سے نہ صرف بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں بلکہ پولیس کے نظام کو از سرِ نو منظم کرسکتے ہیں۔پولیس عوام کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے اور حفاظت تب تک ممکن نہیں جب تک عوام پولیس کا ساتھ نہ دے۔اِس کتاب میں مختلف موضوعات پر لکھا گیا ہے۔جو موضوع فوری طور پر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔اُن میں ایک تو یہ ہے کہ جُرم کی سرپرستی کرنے والے طبقات کے مقابلے میں قانون ایک طوائف کی عصمت کی طرح کس قدر مجبور اور بے بس ہوتا ہے۔اور ہمارے عدالتی نظام میں ایسے کون سے سُقم ہیں؟ جن کی وجہ سے مجرم سرِ عام دندناتے پھرتے ہیں۔اپنے خلاف گواہی دینے والوں کو یا تو خرید لیا جاتا ہے۔اگر کوئی خریدانہ جاسکے تو اُسے ڈرا دھمکا کر اپنے حق میں بیان لے لیا جاتا ہے۔یا پھر اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔اِس کے علاوہ چودھری صاحب نے اِس کتاب میں بتایا ہے کہ پولیس کم وسائل میں کس طرح اپنی ذِمہ داریاں پوری کرتی ہے اور عوامی خدمت میں وہ کس طرح اپنی کارکردگی کو بہتر کرسکتی ہے۔چودھری صاحب نے اپنی اِس کاوِش کے ذریعے محدود وسائل کے ذریعے لامحدود مسائل کے حل کا طریقہ بھی بتایا ہے۔کتاب کے آخری باب میں چودھری صاحب نے بتایا ہے کہ ایک پولیس اہلکار کس طرح لوگوں کی جانیں بچانے کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔کس طرح عورتوں کے سہاگ بچانے کے لیے اپنے سہاگ کی قربانی دے دیتے ہیں۔دوسروں کے بچوں کو یتیم ہونے سے بچاتے ہوئے اپنے بچوں کو یتیم کر دیتے ہیں۔ایسے شہداء کی خدمات میں چودھری صاحب نے گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔یہ کتاب اپنے موضوع کی دلچسپی کی طرح نہایت شگفتہ اور خُوبصورت انداز میں تحریر کی گئی ہے۔چودھری صاحب نے اِس کتاب کو اتنے شاندار اُسلوب اور سادہ زبان میں لکھا ہے کہ ایک بار قاری پڑھنا شروع کر دے تو ختم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حوالہ جات

1:سردار محمد چودھری،"متاعِ فقیر"،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،1999ء،ص72
2:ایضاً۔ص74
3:ناجد علی،انٹرویو،ڈاکٹر محمد اشرف قریشی،لاہور:پنجاب یونیورسٹی شعبہ کشمیریات،2010ء
4:سردار محمد چودھری،"جہانِ حیرت"،اُردو لائبریری،پیغام ڈاٹ کام۔ص128
5:ایضاً۔ص129
6:ایضاً۔ص261
7:ایضاً۔ص276
8:ایضاً۔ص278
9:ایضاً۔ص293
10:ایضاً۔ص304
11:ایضاً۔ص450
12:سردار محمد چودھری،"متاعِ فقیر"،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،1999ء۔ص55/54
13:سردار محمد چودھری،"کشتِ ویراں"،معارفت ڈاٹ کام۔ص16
14:ایضاً۔ص83